حافظ احمد یار

کتابتِ مصاحف میں
علاماتِ ضبط کا تنوّع
مختصر تاریخی اور تقابلی جائزہ

قرآن کریم کی درست کتابت اور صحیح قراءت کے لیے تین امور کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ رسم، ضبط اور وقف۔ ان تین اصطلاحات سے ہماری مراد علی الترتیب رسمِ عثمانی، علامات و اصطلاحاتِ ضبط اور رموزِ وقف (جنہیں عموماً ہمارے ہاں رموزِ اوقاف بھی کہتے ہیں) ہے۔ ان میں سے رسمِ عثمانی اور رموزِ وقف کے بارے میں مفصّل اصول و قواعد پر مشتمل مستقل تالیفات موجود ہیں، مگر علاماتِ ضبط کی صرف ابتدا کے بارے میں مجمل سا ذکر تاریخوں میں ملتا ہے۔ ان علامات میں نئی نئی اصطلاحات اور کتابتِ مصاحف میں ان کے طریقِ استعمال کی تفصیلات پر کوئی کتاب، میرے ناقص علم کے مطابق موجود نہیں ہے اور جو کتاب ہے بھی مثلاً الدانی (ابوعمرو سعید بن عثمان) کی کتاب النقط والشکل (جو المقنع کے ساتھ چھپی ہے) اور المحکم فی نقط المصاحف (جسے حکومتِ شام نے شائع کیا ہے) وہ ہر چند اپنے موضوع پر نہایت مفصّل، مبسوط اور جامع مباحث پر مبنی ہیں۔ تاہم ان کا تعلق صرف ان علاماتِ ضبط سے ہے، جو نقط (جس کی وضاحت آگے آرہی ہے) پر مبنی تھیں اور جو گزشتہ سات آٹھ سو برس سے متروک ہو چکی ہیں۔

اس "نقط" یا "نظامِ نقاط" کی جگہ لینے والے موجودہ "نظامِ حرکات و سکنات" پر مبنی علاماتِ ضبط کے بنیادی اصول و ضوابط اگرچہ یکساں ہی تھے، تاہم تجوید و قراءت کے تقاضوں کے پیشِ نظر اصل رسمِ عثمانی کو برقرار رکھتے ہوئے ان علاماتِ ضبط میں مزید ترمیم و اصلاح کا سلسلہ جاری رہا۔ خطِ عربی کی مختلف جمیل اقلام اور اقسام کی طرح مختلف ممالک میں مختلف قسم کی علاماتِ ضبط رواج پا گئیں۔

کتابتِ مصاحف میں علاماتِ ضبط کے اس تنوع میں مفید اصلاحات کے ساتھ ساتھ غیر ذمہ دار خطّاطوں کی غفلت اور تن آسانی کو بھی خاصہ دخل رہا ہے۔ اس لیے اس تنوع اور اختلاف میں صحیح اور غلط کی تمیز کرنا بھی ضروری ہے۔ کچھ اصلاحات دورِ طباعت کے تقاضوں کی بنا پر ناگزیر تھیں۔ مثلاً مصاحفِ عثمانیہ میں متروک الکتابت حروف جو قرأت میں واجب النطق تھے، یہ حروف قلمی کتابت کے دور میں سرخ سیاہی سے اصل قلمِ کتابت کے قط کے برابر حجم کے لکھ دیے جاتے تھے۔ مگر دورِ طباعت میں سیاہی کا تنوّع کا برقرار نہ رکھ سکنے کے باعث انہیں باریک قلم سے لکھنا اختیار کیا گیا مثلاً دَاوٗدَ میں چھوٹی دوسری واؤ[1] (خیال رہے صرف عرب اور افریقی ممالک کے مصاحف میں اس طرح لکھا جاتا ہے۔ برصغیر میں اسے دَاوٗد — واؤ پر اُلٹی پیش لگا کر لکھتے ہیں) قلمی مصاحف میں بعض علامات اور اشارات کو متن کی کالی سیاہی سے مختلف رنگوں کی (عموماً سُرخ) سیاہی کے ساتھ لکھنا آسان تھا۔ مگر طباعت کے لیے کتابت میں ایسا کرنا نہ آسان ہے نہ سستا ہے

اس طرح علاماتِ ضبط میں اصلاحات کا سلسلہ جاری رہا اور اب بھی جاری ہے۔ عرب ممالک میں جہاں رسم عثمانی کی وجہ سے قرآن کریم کی تعلیم اور قرأت میں دِقّت پیش آ رہی ہے (عرب ممالک میں تعلیم کا تناسب بڑھنے سے اخبارات، رسائل، اور کتابوں کی اشاعت عام ہو رہی ہے۔ ان سب میں مستعمل رسم الخط — قرآنی رسم الخط میں بہت سے امور میں مختلف ہے۔ ایک عرب جب ہر جگہ مثلاً لفظ اِیَّایَ، اَلْآنَ یا اللَّیْل پڑھتا ہے مگر قرآن کریم میں وہ ان ہی کو اِیّٰیَ، اَلْئٰنَ اور اَلَّیْل لکھا ہُوا دیکھتا ہے۔ تو وہ چکرا جاتا ہے۔ غیر عرب ممالک کے لیے رسم الخط عثمانی کسی پریشانی کا ہرگز موجب نہیں بن سکتا کیونکہ وہاں ناظرہ قرآن خوانی اسی رسم الخط کو ملحوظ رکھ کر سکھائی جاتی ہے) البتہ عرب ممالک میں رسم الخط کی یہ "دوئی" ایک مسئلہ ہے)۔ اور جس کی وجہ سے بعض انتہا پسند اور غیر دانش مند عرب متجددین کتابتِ مصاحف میں "رسمِ عثمانی"

---

[1] المصحف المیسر ص ۱۵۔

کے التزام پر تنقید کرتے اور اسے ترک کر دینے کے مشورے دینے لگے ہیں، وہاں احتیاط و اعتدال سے کام لینے والے اہلِ علم اس مشکل کے حل کے لیے علاماتِ ضبط میں بعض مزید اصلاحات کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں[1] ان نام نہاد روشن خیال متجددین کے مقابلے پر دوسری انتہاء پر کچھ ایسے بزعمِ خود غلط "علماء" بھی ہیں جو اپنے ملک میں رائج علاماتِ ضبط کو بھی خطِ قرآنی بلکہ رسمِ عثمانی ہی کا جزءِ لاینجزی سمجھتے ہیں اور ایسے تمام مصاحف کی کتابت کو غلط قرار دیتے ہیں جن میں ان کی جانی پہچانی، یعنی صرف اپنے علاقے میں مستعمل — علاماتِ ضبط استعمال نہ کی گئی ہوں (اس کی ایک مثال امریکہ سے MSA (اسلامی جمعیتہ طلبہ کا دوسرا نام) کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والا عبداللہ یوسف علی کا انگریزی ترجمۂ قرآن ہے۔ حقوقِ طبع کی بحث سے قطع نظر اس ایڈیشن میں شیخ اشرف۔ لاہور (اصل ناشر) کی کرائی گئی پیر عبدالحمید کی (پاکستانی) کتابت کو ہٹا کر اس کی جگہ عرب ممالک کے کسی نسخہ کی آیات کے آفسٹ فوٹو استعمال کیے گئے ہیں۔ حالانکہ اصل کتابت میں بالعموم عربی سطر کے سامنے انگریزی سطر کا التزام کیا گیا تھا جو اس جدید ترتیب میں نظر انداز کرنی پڑی ہے۔ اب صرف آیت کے سامنے آیت ہے۔ آخر امریکہ میں صرف عرب ہی تو اس ترجمہ کے پڑھنے والے نہیں تھے۔ برصغیر کے سینکڑوں ہزاروں مسلمان بھی امریکہ میں رہتے ہیں۔ ان کے لیے عرب ممالک میں رائج علاماتِ ضبط کا سمجھنا نہایت دشوار ہے اور وہ محض اس تبدیلی خط کی بناء پر بعض دفعہ قراءت میں غلطی کر سکتے ہیں، اور فی الواقع کر جاتے ہیں۔ مگر MSA نے صرف کسی یا بعض عرب ممالک سے اشاعتِ ترجمۂ قرآن کے نام پر کثیر مالی امداد حاصل کی جو غالباً اس تبدیلی کے ساتھ مشروط قرار دے دی گئی۔)

اس قسم کے اسباب کی بنا پر کتابتِ مصاحف میں علاماتِ ضبط کے تنوع اور اس کی تاریخ کا مطالعہ ایک مفید علمی — قرآنی خدمت ہے۔ کیونکہ دوسری صدی ہجری کے نصف آخر سے اب تک، علاماتِ ضبط میں رونما ہونے والے ارتقاء اور ان علامات میں داخل ہونے والی مفید اصلاحات — یا کسی

---

[1] یوسف خلیفہ ص ۱۷

کا تبانہ فروگزاشت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے علاقائی اختلافات وغیرہ کے تاریخی اور تقابلی تنقیدی جائزہ پر مبنی ایک نئی " المحکم فی ضبط المصاحف" کی قسم کی تالیف کے لیے کسی نئے " الدانی" کی ضرورت ہے۔ جو فی زماننا کوئی ادارہ ہی ہو سکتا ہے۔ بہرحال بارش کے پہلے قطرے کی سی جسارت سے کام لیتے ہوئے، اس دلچسپ داستان کا کچھ حصہ بلکہ شاید غیر مربوط سا خاکہ، جو راقم الحروف کے ناقص علم اور محدود مشاہدہ و مطالعہ پر مبنی ہے، قارئین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

● یہ بات سب کو معلوم ہے کہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا اور ابتداء ہی سے عربی زبان میں لکھا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں صحابہؓ کی بڑی تعداد نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب اور طریقِ تلاوت کے مطابق پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور قرآن کریم کا ہر ہر لفظ نزولِ وحی کے جلد ہی بعد لکھ بھی لیا جاتا تھا۔ قرآن کریم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جو حضورؐ کی زندگی میں حفظ نہ کر لیا گیا ہو۔ اور لکھ نہ لیا گیا ہو۔

● قرآن کریم کی یہ (عہدِ نبوی کی) کتابت عربی خط میں تھی۔ اس وقت تک عربی زبان کی ابجد بنیادی طور پر اور تعلیمِ کتابت کی حد تک ۔ صرف پندرہ (۱۵) حروف پر مشتمل تھی (یعنی ا ب ح د ر س ص ط ع ف ک ل م و ہ) جو اٹھائیس آوازوں کے لیے استعمال ہوتے تھے۔[1] ان پندرہ حروف میں سے اکثر کی ایک سے زائد آوازیں تھیں۔ انگریزی کے TH، C، G اور H کی طرح ۔ بلکہ بعض پانچ آوازوں تک کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ مثلاً ایک دندانہ " ـــ " ہی ب ت ث ن اور ی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ صرف چھ حروف ایسے تھے جو اپنی ایک ایک ہی آواز رکھتے تھے۔ یعنی ا ک ل م و اور ہ ۔ عرب کے لکھے پڑھے لوگ اپنے علمِ زبان کی بنا پر مختلف حروف کی آواز پہچان کر پڑھ سکتے تھے ۔ ایک عرب مثلاً لفظ " حرب " کو حسبِ موقع حوب یا جوب یا حرث یا خرب اسی طرح بآسانی پڑھ سکتا تھا جیسے کوئی انگریزی داں

---

[1] یوسف خلیفہ ص ۲ ۔

حسب موقع g یا h وغیرہ کی درست آواز جان لینا ہے یا عبارت میں READ اور LEAD کی قسم کے لفظوں کا مطلوبہ درست تلفظ سمجھ لینا ہے۔

● عہدِ نبوی کے بعد عہدِ صدیقی اور عہدِ عثمانی میں سرکاری اہتمام سے جو نسخے — "اُم" یا ماسٹر کاپی — کے طور پر تیار کیے گئے۔ ان سب کی کتابت ان ہی پندرہ حروف پر مبنی تھی۔ حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں ان کے حکم سے اور ان کی عمومی نگرانی میں تیار کیے گئے (کم از کم) چھ مصاحف (قرآنی ایڈیشن) تیار کیے گئے تھے جو اُس وقت سے آج تک دنیا بھر میں موجود مصاحف (قرآنی نسخوں) کی اصل ہیں۔ قرآن کریم کا ہر نسخہ (مصحف) بنیادی رسم الخط (SPELLING) کی حد تک ان چھ عثمانی نسخوں میں سے کسی ایک یا ان سے ہو بہو نقل کردہ کسی ایک نسخے کے عین مطابق ہوتا ہے اور اس معاملے میں ادنیٰ سا اختلاف (VARIATION) بھی اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا[1]

● یہ بات بھی مسلمہ اور متفق علیہ ہے کہ قرآن کریم کے ان عثمانی نسخوں (مصاحف) کی کتابت بھی ان پندرہ حروف کے ساتھ ہی ہوئی تھی۔ ان میں حرکات تو درکنار متشابہ حروف کو متمیز کرنے کے لیے نقطے بھی نہیں لگائے گئے تھے — اگرچہ عہدِ رسالت بلکہ قبل از ظہورِ رسالت بھی بعض بعض حروف پر کبھی کبھار نقطے استعمال کر لیے جاتے تھے۔ کاتبین مصاحف عثمانی نے عمداً اور دانستہ ان نسخوں (مصاحف) میں حرفوں کو نقطوں سے عاری رکھا۔ اور اس میں کچھ حکمت اور مصلحت بھی مقصود تھی۔ مثلاً کسی لفظ کو محتمل القراءتین بنانے کے لیے — جس کی دونوں قراءتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوں — تاہم اس پر تفصیلی بحث کا ایک الگ مقام ہے[2]

● حضرت عثمان رضؓ کے ایڈیشن یا مصاحف کے قریباً چالیس برس بعد تک دنیائے اسلام میں قرآن کریم کی کتابت اسی طرح بغیر نقاط اور بغیر حرکات کے جاری رہی مگر قرآن کریم کی تعلیم کے عہدِ رسالت سے ہی تلقی اور سماع پر مبنی ہونے کے باعث قرآن کریم ہمیشہ درست ہی پڑھا جاتا رہا۔ آج بھی غلط کتابت والے یا مبتدی اسرائیلی

---

[1] لنگز ص۱۱۔ [2] المنجد ص۳۶ ۔ قصۃ ص۵۔

قرآنی ایڈیشن ــ حفاظ کے ہوتے ہوئے کبھی خطرہ نہیں بن سکتے۔

● پہلی صدی ہجری کے نصف آخر تک لاکھوں غیر عرب بھی اسلام میں داخل ہو کر قرآن بلکہ عربی زبان بھی سیکھ رہے تھے۔ کسی زبان کی تعلیم بلکہ اس کا بول چال میں استعمال تک بھی کسی آدمی کو اہلِ زبان کی سی مہارت عطا نہیں کر سکتا۔ عراق، شام اور مصر اُس وقت تک اگرچہ بڑی حد تک عربی بولنے والے علاقے بن چکے تھے مگر عوام میں جہاں لحن کے ساتھ ــ یعنی غلط سلط ــ عربی بولنے کا رواج بڑھا وہاں ساتھ ہی قرآن کریم کی تلاوت میں اس غلط سلط عربی دانی کا مظاہرہ ہونے لگا۔ (آج بھی صرف دار جہ یعنی عوامی زبان بولنے والے ناخواندہ عرب تک قرآن خوانی میں ایسی غلطیاں عام کر جاتے ہیں)۔ اہلِ علم کے ساتھ خود بعض مسلمان حکمرانوں کو بھی اس کا تدارک کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اپنی سیاسی خود غرضیوں اور گمراہیوں کے باوجود ابھی تک حکمران قرآن کریم کی درست قرأت کو نہ صرف اپنے ایمان کا بلکہ اپنے اہلِ زبان ہونے کا لازمہ سمجھتے تھے۔ اور قرآن کریم کو غلط پڑھنا نہ صرف سخت گناہ بلکہ عربی دانی کا عیب بھی متصور ہوتا تھا۔

● ابوالاسود الدؤلی (م ۶۹ھ) باتفاق روایات تابعین میں سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے پورے مصحف (قرآن مجید) میں نقطوں کے ذریعے شکل (حرفوں کی آواز کو علامات کے ذریعے متعین کرنا) کے ایک نظام کی ابتدا کی[۱]

ابوالاسود کے اس کام پر آمادہ ہونے کے محرکات کی مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس کا باعث ان کا عبیداللہ ابن زیاد کا نالیق ہونا بنا۔ ابن زیاد کو صحیح عربی بولنا سکھانے کے لیے انہوں نے عربی تحریر میں اس اصلاح کی ضرورت محسوس کی ــ دوسری روایت یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے خود اپنی بیٹی کو غلط عربی بولتے سنا ــ تیسری وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ کسی عدالت میں مدعی نے اپنا کیس بالکل غلط عربی میں پیش کیا ــ اور چوتھی مشہور روایت یہ ہے کہ انہوں نے کسی آدمی کو سورہ التوبہ کی تیسری آیت میں اَنَّ اللّٰہَ بَرِیۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ وَ رَسُوۡلُہٗ

---

[۱] المقنع ص ۱۲۴ ـ

میں رسول[۱] کو جرکے ساتھ پڑھتے سُنا ہے ممکن ہے یہ ساری وجوہ ہی درست ہوں۔ بیان ہُوا ہے کہ انہوں نے اس مقصد کے لیے تیس آدمیوں کا انٹرویو لینے کے بعد ایک نہایت درست لہجہ اور صاف تلفظ والے سمجھ دار لکھے پڑھے آدمی کا انتخاب کیا اس کے بعد اسے ایک مصحف (نسخۂ قرآن) دے کر سامنے بٹھایا اور خود آہستہ آہستہ قرآن پڑھنا شروع کیا۔ شخص مذکور کو الفاظ کے تلفظ کے وقت قاری کے منہ، ہونٹوں اور زبان کی حرکات کے لیے حروف پر مختلف جگہ پر سُرخ سیاہی سے ایک خاص انداز میں نقطے لگانے کی ہدایت کی۔ ایک دن یا ایک مجلس میں کیے ہوئے کام پر وہ خود نظرِثانی کرتے تھے۔ یہاں تک کہ پورے قرآن مجید پر نقاطِ شکل لگانے کا کام مکمل ہو گیا[۲]

ابوالاسود کے کام کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔

(۱) انہوں نے حرفوں کی آواز (حرکت) کو نقطوں سے ظاہر کیا۔

(۲) یہ نکتے متن قرآن کی کتابت میں استعمال شدہ (کالی) سیاہی سے مختلف رنگ میں لگائے گئے بالعموم ۔ یا کم از کم ابتداء میں ان علامتی نقطوں کے لیے رنگ سُرخ ہی استعمال کیا گیا۔

(۳) زبر یا فتحہ کے لیے متعلقہ حرف کے اوپر ایک نقطہ، زیر یا کسرہ کے لیے حرف کے نیچے ایک نقطہ، پیش یا ضمہ کے لیے حرف کے سامنے۔ یعنی آگے بائیں طرف ایک نقطہ اور تنوین کے لیے دو دو نقطے مقرر کیے گئے۔

اس بات کے باور کر لینے کی وجوہ موجود ہیں کہ ابوالاسود کو حرکات بذریعہ نقاط متعین کرنے کا خیال سریانی یا عبرانی میں مستعمل طریقہ (حرکات بذریعہ نقاط) سے پیدا ہُوا ہوگا[۳] اس طرح ابوالاسود نے ابتداءً صرف تین حرکات (زبر زیر پیش یا فتحہ کسرہ، ضمہ) اور تنوین (دو زبر، دو زیر، دو پیش) ایجاد کیے۔ اور یہ کتابتِ مصاحف میں اصلاح یا حروف کے لیے علاماتِ ضبط مقرر کرنے کی پہلی کوشش تھی۔

---

۱ ۔ الجبوری ص۱۵۱   ۲ قصہ ص۵۲ ۔

۳ ۔ قصہ ص۴۹ ۔ الجبوری ص۱۴۸ ۔

ابوالاسود نے یہ کام اپنی وفات سے ایک سال پہلے ۶۸ھ میں مکمل کر لیا تھا۔ اس کا یہ طریقہ بہت جلد کوفہ کے بعد بصرہ اور پھر مدینہ منورہ تک کے مصاحف میں استعمال ہونے لگا۔ (خیال رہے کہ عموماً بڑے شہر ہی کتابتِ مصاحف کے مرکز رہے ہیں) اگرچہ نقطوں کے لیے مختلف شکل اور مختلف جگہ بھی استعمال ہونے لگی۔ مثلاً کوئی نقطے کو مدوّر (گول) رکھتا کوئی اسے مربع بناتا اور بعض اسے (اندر سے خالی) گول دائرہ ہی بنا دیتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں پیش (ضمہ) کا نقطہ حرف کے (بائیں طرف سامنے کی بجائے) اوپر اور زبر (فتحہ) کا نقطہ حرف کے اوپر کی بجائے اس سے پہلے دائیں طرف لگانے کا رواج ہو گیا[1] کتابتِ مصاحف میں علاماتِ ضبط کا یہ پہلا تنوع تھا جس کی بنا پر عموماً یہ پتہ چل جاتا تھا کہ کسی مصحف کی کتابت کس شہر یا علاقے میں ہوئی ہے۔

● ابوالاسود کی اس اصلاح کے باوجود ابھی تک یکساں صورت رکھنے والے حروف کی تمیز کے لیے کوئی تحریری علامت نہیں تھی اور ان کی درست قراءت کا انحصار تلقی و سماع پر ہی تھا۔ عبدالملک اموی کے زمانے میں جب عربی کو دفتری زبان بنا دیا گیا تو نہ صرف قرآن کریم بلکہ عام عربی تحریر کو بھی اس التباس سے بچانا ضروری معلوم ہوا۔ خلیفہ کی اس خواہش کو عراق کے گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے یوں پورا کیا کہ اس کے حکم پر بصرہ کے علماء میں سے ابوالاسودؒ کے دو شاگردوں نصر بن عاصم (م ۸۹ھ) اور یحییٰ بن یعمر (م ۱۲۹ھ) نے عربی زبان کے اب تک رائج پندرہ حرفوں کو ان کی آوازوں کے مطابق اٹھائیس (۲۸) حروف میں بدلا — اور چھوٹے چھوٹے نقطوں کے ذریعے متشابہ حروف کو متمیز کر دیا — خیال رہے کہ ان اٹھائیس حروف کے نام پہلے سے الگ الگ موجود تھے۔ صرف ان کی کتابت کی شکلیں پندرہ تھیں — مثلاً ح کو ج ح خ کہتے تھے — حرفوں پر اس قسم کے نقطے لگانے کے عمل کو اعجام کہتے ہیں۔ حرکات اور اصوات کے (دؤلی والے رائج کردہ) نقطوں کے برعکس اعجام کے نقطے اسی سیاہی سے لگانے تجویز ہوئے جس سے اصل متن لکھا گیا ہوتا[2]

---

[1] المحکم ص ۱۹/۲۰ [2] قصہ ص ۵۲

کتابتِ مصاحف میں حروف کی باہم پہچان اور تمیز کے لیے یہ دوسری اصلاحی کوشش تھی۔ دونوں قسم کے نقطوں میں فرق کرنے کے لیے اصطلاحات تھیں ایک (ابوالاسود والے طریقہ) کو نَقْطُ الحرکات یا نَقْطُ الاعراب یا نَقْطُ الشکل کہتے ہیں۔ جب کہ دوسری قسم کے (نصر و یحییٰ یا حجاج والے طریقہ پر) یعنی حرفوں) کے نقطے لگانے کو نقط الاعجام کہتے ہیں۔

● کہا گیا ہے کہ نصر اور یحییٰ سے بہت پہلے — بلکہ دورِ صحابہ رضؓ تک کے زمانے میں نقطِ الاعجام موجود تھا۔ اس نظریے کے موافق اور مخالف دلائل موجود ہیں تاہم یہ بات یقینی ہے کہ اگر نقط الاعجام للتمییز بین الحروف المتشابہۃ کا استعمال اگر پہلے موجود تھا، تو بہت کم اور نادر ضرور تھا۔ مصحف (قرآن مجید) کی کتابت میں اس (نقطِ اعجام) کا استعمال یحییٰ اور نصر ہی نے بحکم حجاج شروع کیا تھا۔ اور حجاج نے اس مفید اصلاح کے نفاذ کے لیے اپنی حکومت کی پوری مشینری اور اپنی ساری انتظامی صلاحیتوں کو استعمال کیا[1] اسی وجہ سے نقطِ اعجام کے اس طریقے کو بعض مورخین خط حجاج کا طریقہ کہتے ہیں جب کہ رنگدار نقاط برائے حرکات ابوالاسود کا طریقہ کہلاتا ہے۔ اس فن کی کتابوں میں مختلف حرفوں کے لیے مختلف تعداد کے نقطے (ایک دو یا تین) اور ان کی جگہیں (اوپر یا نیچے) مقرر کرنے کی دلچسپ وجوہ بھی بیان کی گئی ہیں[2] جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ البتہ ایک اور بات جو خصوصاً قابل ذکر ہے۔ اگرچہ اس کا تعلق براہِ راست علاماتِ ضبط سے نہیں ہے — وہ یہ ہے کہ نصر اور یحییٰ نے حروف ہجی کی روائتی ابجد ھوز حطی والی عبرانی ترتیب بدل کر ان کو قریباً یہ ترتیب دی جو اب تک ہمارے ہاں رائج ہے۔ ترتیب میں یہ تبدیلی دراصل اس مقصد کے لیے عمل میں لائی گئی تھی تاکہ یکساں صورت والے حروف کو یکجا یکجا کر دیا جائے۔

● ابوالاسود کے نقطوں کی طرح یحییٰ اور نصر — یا حجاج کے نقاطِ حروف اور ترتیبِ تہجی حجاز کے راستے مغرب میں بھی قدرے اختلاف یا تنوع کے ساتھ اختیار کر لیے گئے۔ مثلاً مغرب میں ف کے سرے کے نیچے ایک نقطہ (ڢ) اور ق

---

[1] صفدی ص۱۳۰۔ [2] المحکم ص۳۳ بعد

کے اوپر ایک نقطہ (ف) اختیار کیا گیا۔ اسی طرح کسی لفظ کے آخر پر واقع ہونے کی صورت میں ف یا ق یا ن یا ی کو کسی قسم کے علامتی نقطوں کے بغیر لکھا جانے لگا اور ان ملکوں میں کتابتِ مصاحف کے علاوہ عام روزمرّہ کی کتابت میں بھی اب تک یہ حروف اسی طرح لکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح اہلِ مغرب و اُندلس کے ہاں عربی کے حروفِ تہجی کی ترتیب بھی مختلف رائج ہوگئی ہے۔ مثلاً اہلِ مشرق (مصر اور تمام ایشیائی ممالک) — میں تو یہ ترتیب پائی جاتی ہے : اب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک ل م ن و ہ (بعض دفعہ ہ و اور ی) اس کے برعکس اہلِ مغرب (مصر کے علاوہ تمام افریقی اسلامی ممالک اور سپین (یورپ) میں جو ترتیب رائج ہے، وہ اب سے ر ز تک تو اسی طرح ہے البتہ اس کے بعد اہلِ مغرب یہ ترتیب اختیار کرتے ہیں۔ ط ظ ک ل م ن ص ض ع غ ب ف س ش ہ و ی[1]

البتہ ابوالاسود دوٴلی کا طریق نقط الحرکات مدینہ منوّرہ کے راستے بلادِ مغرب اور اندلس (سپین) میں خوب رائج ہُوا۔ وہاں اس میں مزید اصلاحات کی گئیں۔ حتیٰ کہ یہ نظامِ نَقْطِ قرآن کریم کی تمام تجویدی اور صوتی ضروریات کے لیے مکتفی ہوگیا اور اس کو ایک مخصوص علم یا فن بنا دیا گیا جس کی تفصیلات پر کتابیں لکھی گئیں۔ ڈاکٹر عزت حسن نے الدانی کی کتاب " المحکم " کے مقدمے میں اس سے پہلے اس موضوع پر لکھی گئی اٹھارہ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

● عباسی دور کے ابتدائی کئی برسوں تک کتابتِ مصاحف کا یہی طریقہ رائج رہا (یعنی حرکات بذریعہ رنگدار نقاط اور حرفوں کے نقطے ان سے ذرا چھوٹے مگر کتابت کی ہی سیاہی سے لکھنا) تاہم یہ دو، دو قسم کے نقطے لکھنے اور پڑھنے والے ہر دو، کے لیے صعوبت اور التباس پیدا کرنے کا سبب بنتے تھے، اس لیے آہستہ آہستہ اعجام کے نقطے محض قلم کے قط کے برابر ہلکی ترچھی لکیروں کی صورت میں ہی ظاہر کیے جانے لگے۔ ابھی دنیا میں نقط اعجام کے ان دونوں طریقوں کے مطابق لکھے ہوئے نسخے خاصی تعداد میں مختلف جگہوں پر موجود ہیں اور ان کے رنگدار

---

[1] المحکم ص۳۴۔

نمونے فوٹو طباعت کی صورت میں متعدد کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں اور ان کے ذریعے نقطِ حرکات اور نقطِ اعجام کی عملی تطبیقات کو سمجھا جا سکتا ہے۔

● دریں اثناء ابوالاسود اور یحییٰ و نصر کے تلامذہ اور متبعین میں سے بعض علماء نے تشدید کے لیے حرف کے اوپر قوس کی افقی شکل (ٮ) کا نشان اختیار کیا جس کے دونوں سرے اوپر اٹھے ہوتے تھے اور حرف مثوّن پر فتحہ (زبر) کی صورت میں سُرخ نقطہ اس قوس کے اندر (ٮ) - کسرہ (زیر) کے لیے نیچے (ٮ) اور ضمہ (پیش) کے لیے یہ نقطہ قوس کے دائیں سرے کے اوپر لگاتے تھے (ٮ)۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد (ٮ) علامتِ تشدید والی قوس پر حرف مثوّن کی حرکت کے لیے نقطہ لگانا ترک کر دیا گیا۔ اور اس کی بجائے مشدّد مفتوح حرف کی صورت میں قوسِ تشدید حرف کے اوپر (ٮ) اور مکسور مشدّد کے لیے حرف کے نیچے اُلٹی قوس (⌒) اور مشدد مضموم کے لیے اوپر اوندھی شکل کی قوس (⌒) بنانے لگے[1]

اسی طرح ابوالاسود ہی کے بعض متبعین نے اس طریقے کو وسعت دیتے ہوئے کچھ مزید علامات بھی وضع کیں مثلاً سکون کے لیے چھوٹی سی افقی لکیر باریک قلم سے حرف کے اوپر یا نیچے مگر اس سے الگ لگانے لگے۔ چاہے یہ حرف ہمزہ ہو یا غیر ہمزہ۔ البتہ ہمزۃ الوصل کے ماقبل مفتوح کی صورت میں الف کے اوپر ساتھ ملی ہوئی چھوٹی سی افقی لکیر (آ) اور ماقبل مکسور کی صورت میں الف کے نیچے ساتھ چھوتی ہوئی افقی لکیر (ا) اور ماقبل مضموم کی صورت میں الف کے وسط میں ہلکی افقی لکیر (+) لگا دیتے تھے[2]۔

افریقی ممالک خصوصاً تونس، مراکش، نائیجیریا اور گھانا وغیرہ میں اب بھی کتابتِ مصاحف میں ہمزۃ الوصل کی کتابت کا یہی طریقہ رائج ہے — تاہم یہ بات یاد رہے کہ ابوالاسود یا اس کے متبعین کی وضع کردہ علاماتِ ضبط ہمیشہ متن کی سیاہی سے مختلف رنگ (عموماً سُرخ) میں لکھی جاتی تھیں۔

● نقاط کی مشابہت سے التباس کے امکان کو کم کرنے کے لیے اور کتابت

---

[1] الجبوری ص ۱۵۳ — [2] المقنع ص ۳۷

ہیں بیک وقت متعدد سیاہیوں کے استعمال کی صعوبت سے بچنے کے لیے ایک اور اصلاح کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ مشہور نحوی اور واضع علم عروض الخلیل بن احمد الفراحیدی (م ۱۷۰ھ) نے وقت کی اس ضرورت کو نئی علاماتِ ضبط ایجاد کر کے پورا کیا اور یہی وہ علاماتِ ضبط ہیں جو کم و بیش آج بھی ہر جگہ نہ صرف کتابتِ مصاحف میں بلکہ کسی بھی مشکول عربی عبارت کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ خلیل نے نقطِ اعجام کو متن کی سیاہی سے لکھنا اسی طرح برقرار رکھا بلکہ اس نے حروف کے نقطوں کی مختلف تعداد اور جگہ کے تعین کے اسباب و علل بھی بیان کیے۔ البتہ اس نے "الشکل بالنقاط" کی بجائے "الشکل بالحرکات" کا طریقہ ایجاد کیا یعنی فتحہ (زبر) کے لیے حرف کے اوپر ایک ترچھی باریک لکیر (ـَ)، کسرہ یا زیر کے لیے حرف کے نیچے اسی طرح کی لکیر (ـِ) اور ضمہ یا پیش کے لیے حرف کے اوپر ہی ایک مخفف واؤ کی شکل (ـُ) لگانا تجویز کیا۔ اور تنوین کے لیے ایک کی بجائے دو دو حرکات مقرر کیں۔

ان حرکاتِ ثلاثہ کے علاوہ خلیل نے پانچ نئی علاماتِ ضبط ایجاد کیں یا ان کے لیے ایک نئی صورت وضع کی۔ خلیل نے سکون کے لیے حرفِ ساکن کے اوپر "ہ یا د" کی علامت وضع کی جو جزم کے ج یا م کے سر کا مخفف نشان تھا۔ تشدید کے لیے اس نے حرفِ مشدّد کے اوپر "ّ" (جو ش کے سر سے ماخوذ ہے)۔ ہمزۃ الوصل کے لیے الف کے اوپر "ص" (یعنی وصلہ کے لیے ص کی ایک صورت) ۔۔۔ اور مدّ کے لیے حرف ممدود کے اوپر "ـٓ" (جو دراصل خود لفظ مد ہی کی دوسری صورت ہے) اختیار کی (افریقی ممالک کے بعض مصاحف میں اسے اب تک صاف "مد" ہی لکھتے ہیں۔) اسی طرح خلیل نے ہمزۂ قطع کے لیے "ء" کی علامت وضع کی جو حرف عین کے سرے سے ماخوذ ہے[1]

● خلیل کی وضع کردہ علامات کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں کتابت کے لیے دو سیاہیاں استعمال کرنا لازمی نہ تھا۔ بلکہ متنِ قرآن اور علاماتِ ضبط سب ایک ہی سیاہی سے لکھے جانے لگے۔ اس سے کتابت میں صعوبت اور قرأت میں التباس

---

[1] فتح ص ۵۳

کے امکانات کم تر ہو گئے۔ اس لیے یہ طریقہ بہت جلد مقبول ہو گیا۔ آج کل دنیا بھر میں کتابتِ مصاحف میں علاماتِ ضبط کے لیے کم و بیش یہی طریقہ رائج چلا آتا ہے۔ البتہ ضرورتاً ـــــ اور بعض جگہ رواجاً ـــــ اس میں مزید اصطلاحات اور ترمیمات کا سلسلہ جاری رہا۔ مثلاً افریقی ممالک کے مصاحف میں اور برِّصغیر یا وسط ایشیا کے خطِ بہار میں لکھے ہوئے مصاحف میں حرکات ترچھی ڈالنے کی بجائے بالکل افقی ڈالی جاتی ہیں۔ چین میں "ــ" کی بجائے صرف س کے سرے کے دو دندانے بنا کر آخر میں ذرا کھینچ کر لکھ دیتے ہیں (ســـ) اسی طرح ضمہ یا پیش کی شکل بھی بعض ممالک میں مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً (و ء ر د و) وغیرہ۔ مگر یہ سب خلیل ہی کے طریقہ کا تتبع یا تنوع ہے۔ خلیل کی وضع کردہ علامات کتابتِ مصاحف میں علاماتِ ضبط کی اصلاح کی تیسری کوشش تھی۔ جو ایک بڑے سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

● جب خلیل نے دوسری صدی کے آخر میں علاماتِ ضبط کا نیا طریقہ وضع کیا، اس وقت تک ابوالاسود دؤلی کا ایجاد کردہ طریقۂ نقاط کتابتِ مصاحف کے لیے پوری دنیائے اسلام کے مشرقی اور مغربی تمام حصوں میں استعمال ہونے لگا تھا۔ بلکہ اس میں مزید اصلاحات اور نئی علامات کی ایجاد سے یہ طریقہ زیادہ مکمل اور قرآن کریم کی قرأت اور تجوید کی بہت سی ضرورتوں کے لیے کافی تھا۔ مثلاً حرکاتِ ثلاثہ، تنوین کی ابتدائی علامات کے علاوہ تشدید، سکون اور وصلہ (ہمزۃ الوصل) کے لیے بھی نقطوں ہی کی صورت میں علامات وضع کرلی گئی تھیں۔

ابوالاسود کے طریقِ نقط ہی کے تتبع میں ہمزۃ الوصل کے لیے زرد رنگ کا نقطہ اور ہمزۂ قطع کے لیے سُرخ رنگ کا نقطہ اور بعض دفعہ ہمزۃ الوصل کے لیے سبز رنگ کا نقطہ بھی استعمال ہونے لگا تھا۔ ان علامات کے استعمال میں بعض علاقائی اختلاف بھی ہوتے تھے۔ مثلاً عراق اور شام میں ہمزہ کے لیے بھی سُرخ نقطہ (حرکات کی طرح) رائج تھا جب کہ مدینہ منوّرہ، بصرہ اور بلادِ مغرب میں ہمزہ کے لیے زرد رنگ کے نقطہ کا رواج تھا۔ اس فرق کی وجہ سے آج بھی ہم کسی قدیم

مصحف کے علاوہ کتابت کے بارے میں فیصلہ کرسکتے ہیں[۱] اسی طرح تجویدی ضرورتوں کے مطابق اخفاء، اظہار، ادغام، اقلاب، ہمزہ کی کتابت کی مختلف صورتوں ہمزہ اور الف یا دو یاء یا دو واؤ کے اجتماع، زائد حرف کی شناخت اور "لا" میں لام اور الف کے تعین کے لیے علامات اور ان کے استعمال کے تفصیلی قواعد وجود میں آچکے تھے[۲]

● یہی وجہ تھی کہ شروع شروع میں کافی عرصہ تک لوگ کتابتِ مصاحف کے لیے خلیل کے طریقے کی بجائے ابوالاسود والے طریقِ نقط کا استعمال ہی جائز سمجھتے رہے[۳]۔ خلیل کا طریقہ کتب شعر میں اور دیگر غیر قرآنی عبارات میں استعمال ہوتا تھا بلکہ اسی لیے اسے "شکل المصحف" کے طریقۂ نقط سے ممتاز کرنے کے لیے شکل الشعر (یعنی شعروں کی زیر زبر لگانے کا طریقہ) بھی کہتے تھے۔ خصوصاً مغرب (اندلس اور افریقہ کے ممالک) میں کتابتِ مصاحف کے لیے علاماتِ ضبط کے طور پر طریقِ نقط کو ایک قسم کی تقدیس کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ ابوعمرو سعید بن عثمان الدانی، جن کا سنہ وفات ۴۴۴ھ ہے اور جو رسمِ عثمانی اور علاماتِ ضبط بذریعہ نقط کے بہت بڑے عالم تھے اور ان فنون میں انہوں نے یادگار تصانیف چھوڑی ہیں، وہ اپنی کتاب "المحکم فی نقط المصاحف" میں خلیل کے طریقے کا کتابتِ مصاحف میں استعمال "بدعت" اور ابوالاسود والے طریقے کو "طریقِ سلف" قرار دیتے ہیں۔ اور بڑی دلیل ان کی یہ ہے کہ یہ طریقہ (یعنی نقط) ایک تابعی بزرگ نے شروع کیا تھا۔ اور اس (ابوالاسود) نے کتابتِ علامت کے لیے اپنے منتخب کاتب کو "فَانْقُطْ" اور "وَاجْعَلْ نُقْطَۃً" (یعنی میری ہدایت کے مطابق نقطے لگاؤ) کے الفاظ کہے تھے[۴] یہی وجہ تھی کہ مغرب میں نَقْطِ مصاحف کا یہ طریقہ بلادِ مشرق کے مقابلے پر زیادہ عرصہ تک رائج رہا۔ بلکہ صفدی (لیس حامد) کے بیان کے مطابق اب تک بھی بلادِ مغرب میں کہیں کہیں وہی طریقہ استعمال کیا جاتا ہے[۵] اور پھر جب وہاں خلیل کا طریقہ رائج ہو گیا تب بھی کتابتِ مصاحف میں کئی

---

[۱] المنجد ص۱۲۷ — [۲] المحکم ص۶۸ بعد

[۳] صفدی ص۱۴ — [۴] المحکم ص۳۴ — [۵] صفدی ص۱۵

علامات — حتیٰ کہ دورِ طباعت میں بھی ابوالاسود کے طریق نُقَط والی ہی برقرار رہیں۔ تونس، نائیجیریا، گھانا، مراکش اور سوڈان کے مصاحف میں اسے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ متشابہ حروف کو متمیز کرنے کے لیے حجّاج — یا یحییٰ اور نصر والے طریقۂ نُقَط (اعجام) کو وہاں بھی شروع ہی میں اختیار کر لیا گیا تھا اور اس فرق کی وجہ یہ بھی ہوئی کہ پہلی دو اصلاحات (ابوالاسود اور یحییٰ و نصر کا عمل) کے درمیان کم مدت تھی۔ مگر خلیل کا طریقہ اس سے قریباً سو سال بعد ایجاد ہُوا تھا، اس لیے اب وہ "سلفِ صالحین" کے طریقے کے خلاف معلوم ہونے لگا۔

تاہم تعلیمی اور تدریسی اہمیت وافادیت کے لحاظ سے خلیل کا طریقہ یقیناً بہتر تھا۔ اس لیے بہت جلد اسے کتابتِ مصاحف کے لیے بھی استعمال کیا جانے لگا۔ عالمِ اسلام کے مشرقی حصے (مصر سے مشرق کی طرف) میں تو اس نے مکمل طور پر ابوالاسوؑ اور ان کے متبعین کے طریقِ نقط کی جگہ لے لی۔ خصوصاً خطِ نسخ کی ایجاد اور کتابتِ مصاحف میں اس کے عام استعمال کے بعد سے تو خلیل کے طریقے کو ہی قبولِ عام حاصل ہُوا۔ علاماتِ ضبط بذریعہ نقاط کا طریقہ خطِ کوفی کے لیے تو زیادہ موزوں تھا، اس لیے کہ خطِ کوفی اکثر و بیشتر جلی قلم سے لکھا جاتا تھا۔ نسخ میں بالعموم نسبتاً باریک قلم استعمال ہوتا تھا اور اس کے لیے نُقَط بذریعہ حرکات کا طریقہ ہی موزوں تر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آہستہ آہستہ اس کا رواج بلادِ مغرب میں بھی ہو گیا[1]

● نِقاط کے ذریعے شکلُ المصاحف (حرکات دینا یا زیر زبر لگانا) کا طریقہ طویل استعمال — قریباً تین صدیوں کی اصلاحات کی وجہ سے قرأت و تجوید کی اکثر و بیشتر ضروریات کے لیے زیادہ موزوں اور مکمل و مکتفی طریقہ بن چکا تھا۔ اس لیے خلیل کے طریقے کے متبعین نے بھی اس قسم کی تمام ضروریات کے لیے نَقطُ المصاحف کے اصول و قواعد کو ہی اپنا رہنما بنایا۔ مثلاً پُرانے طریقے کے مطابق "اظہار" کے لیے تنوین رفع و نصب کی صورت میں ... منوّن کے ... دیا اور تنوین جر کے لیے نیچے دو متراکب (اوپر نیچے) نقطے (:) لگائے جاتے تھے۔ اور اخفاء کے لیے دو متتابع

---

[1] صفدی ص۱۴۰ [2] المقنع ص۱۲۷

(آگے پیچھے) نقطے لگائے جاتے تھے[1] نقط بالحرکات کی صورت میں اظہار کے لیے کتابتِ تنوین (مکرر حرکات) کی الگ شکل اختیار کی گئی۔ (ـً ، ـٍ ، ـٌ) اور اخفاء کے لیے اس سے مختلف صورت لے لی گئی (ـً ، ـٍ ، ـٌ)۔ یا مثلاً افریقی ممالک میں اس مطلب کے لیے ـً ، ـٍ ، ـٌ اور ـً ، ـٍ ، ـٌ کی صورت اختیار کر لی گئی۔ اسی طرح ادغام، اقلاب، اشمام، اور اِمالہ وغیرہ کے لیے نقط کے پُرانے طریقے کو ضرورت کے مطابق ڈھال لیا گیا۔ مثلاً پہلے نون (ن) ساکن ماقبل بار (ب) کے اقلاب بمیم کے لیے نْ کو علامت سکون سے اور ب کو علامت تشدید سے معرّی رہنے دیتے تھے یا (نْ) پر سرخ سیاہی سے چھوٹی سی میم (م) بنا دیتے تھے۔ نقط بالحرکات میں اسی دوسرے طریقے کو اپنا لیا گیا۔

- اس طرح مجموعی طور پر بلادِ مغرب اور بلادِ مشرق میں مختلف قسم کی علاماتِ ضبط رائج ہو گئیں۔ مگر اس تنوع سے صحتِ قرأت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ ہر علاقے کے لوگ اپنے ہاں کے رائج علاماتِ ضبط سے واقف ہوتے ہیں کیونکہ بچپن سے ہی سب اسی مخصوص طریقِ ضبط کے مطابق پڑھنا سیکھتے ہیں۔ البتہ ایک علاقے کے لوگوں کو دوسرے علاقے کے مصاحف سے تلاوت کرنے میں ضرور کچھ دقت پیش آسکتی ہے لیکن قرّاء اور حفّاظ کے لیے یہ بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ عرب اور افریقی ممالک میں علاماتِ ضبط کی اصلاحات میں عموماً عربی زبان کے قواعد کو زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ جب کہ بلادِ مشرق میں زیادہ تر صوت اور تلفظ کی ضروریات کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ اس قسم کے اختلاف یا تنوع کی چند ایک مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) مدّ کی صورت میں حرفِ مدّ (آ، وٓ، یٓ) پر کوئی علامتِ ضبط — جو تلفظاً ہونی چاہیے نہیں دی جاتی بلکہ اس طرح لکھتے ہیں۔ بَا، بُوْ، بِی —— بلادِ مشرق میں سے غالباً صرف برصغیر میں یہاں وٓ اور یٓ پر علامتِ سکون لکھی جاتی ہے (بُوْ، بِیْ)۔ یہ عجیب بات ہے کہ ترکی، ایران بلکہ چین تک کے اندر اس معاملے میں بلادِ مغرب کے طریقے کو ہی اختیار کیا جاتا ہے۔ البتہ

---

[1] المقنع ص ۱۲۷

مد کی صورت میں الف پر کوئی علامت سکون نہیں لکھی جاتی اس لیے کہ اس صورت میں یہ ہمزہ ساکن کی طرح پڑھا جائے گا۔ تاہم عرب ممالک کا یہ طریقہ اُولئٰث اور اُولوالعزم جیسے الفاظ میں التباس پیدا کرتا ہے۔

(۲) ضمیر متصل مجرور واحد مذکر غائب بعض صورتوں میں ھُوْ (ہٗ) اور ھِیْ (ہٖ) کے تلفظ سے پڑھی جاتی ہے۔ ایسی صورتوں میں بلادِ مغرب میں" ہ "کے نیچے یا اوپر مطلق کسرہ (ـِ) یا ضمہ (ـُ) لکھ کر ساتھ ہی ایک باریک یاء (یے) یا واؤ (وٗ) الگ لکھ دی جاتی ہے۔ اس کی بجائے بعض بلادِ مشرق خصوصاً برصغیر میں" ہ "کے نیچے کھڑی زیر (ہٖ، ـہٖ) یا اس کے اُوپر اُلٹا پیش (ہٗ، ـہٗ) لکھنے کا رواج ہے۔

(۳) عرب ممالک میں کھڑی زبر (ـٰ) محذوف الف مدّہ کے لیے استعمال ہوتی چلی آئی ہے۔ البتہ ابتدائی قلمی مصاحف میں یہ کھڑی زبر سُرخ سیاہی سے لکھی جاتی تھی۔ کھڑی زیر (ـٖ) یا اُلٹا پیش (ـٗ) کسی عرب یا افریقی ملک میں رائج نہیں ہُوا۔ (مصر کے بعض غیر سرکاری ایڈیشنوں میں اس کو استعمال کرنے کی مثالیں ملتی ہیں اور وہ بھی بالکل زمانۂ حال میں) اس کے برعکس بعض ممالک (خصوصاً ایران) میں الف مدّہ سے ماقبل (حرف ممدود) کے اوپر کھڑی زبر (ـٰ) لکھتے ہیں اور یائے مدّہ سے ماقبل (حرف) کے نیچے کھڑی زیر (ـٖ) لکھ دیتے ہیں اور دونوں صورتوں میں حرف مدّ کو حرکت سے اور حرفِ علّت کو علامتِ سکون سے خالی رکھا جاتا ہے۔ (فٰا، فٖی)۔

(۴) ترکی اور ایران میں ضمیر مجرور متصل واحد مذکر غائب کے لیے کھڑی زیر (ـٖ) کا رواج تو ہوگیا تاہم مد بصورت ضمہ میں صرف ضمہ سادہ (ہُ) کے اوپر لکھ دیتے ہیں۔ نہ تو عرب ممالک کی طرح اس کے ساتھ چھوٹی سی واو (و) لکھتے ہیں اور نہ ہی برصغیر کی طرح ضمہ مقلوبہ (اُلٹا پیش ـٗ) لکھتے ہیں۔ قراءات کے نقطۂ نظر سے یہ طریقہ سراسر ناقص ہے۔ چین کے اندر اس صورت میں صرف سادہ زیر (ـِ) یا پیش (ـُ) لکھ دیا جاتا ہے۔ (مثلاً بعدِہٖ اور رسولُہٗ لکھ دیں گے) نہ تو عرب ممالک کی طرح زائد حرف مد کے ساتھ لکھا جاتا ہے (بعدِہٖ اور رسولُہٗ) اور اور نہ ہی برصغیر کی طرح اُلٹا پیش (یا کھڑی زیر) لکھتے ہیں (بعدِہٖ، رسولُہٗ)

اُلٹی پیش (ضمہ مقلوبہ) جہاں تک راقم الحروف نے مشاہدہ کیا ہے، صرف برِصغیر کی ایجاد ہے یا کم از کم یہاں ہی مستعمل ہے اور اس کی ایجاد بھی غالباً سو سوا سو برس سے زیادہ پُرانی بات نہیں ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے اورنگزیب عالمگیر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے عکسی متن کے ساتھ جو ہندی ترجمۂ قرآن شائع کرایا تھا۔ اس قرآن مجید (اگر اورنگ زیب کی طرف اس کی نسبتِ کتابت درست ہے تو) میں کہیں اُلٹا پیش (ـُ) مستعمل نہیں ہوا بلکہ وہ علاماتِ ضبط کی حد تک، ایرانی مصاحف کے مطابق ہے۔ ابھی اوپر بیان ہوا ہے، کہ مصر میں بھی بالکل حال ہی میں ــــ اور وہ بھی غیر سرکاری ایڈیشنوں میں، ضمہ مقلوبہ (ـُ) کو علامتِ ضبط کے طور پر استعمال کرنے کی مثالیں دیکھنے میں آئی ہیں۔

(۵) اسی طرح کسی حرف کو کسی بھی علامتِ ضبط سے معرّیٰ رکھنے کے قواعد بھی مشرق و مغرب میں بالکل مختلف ہیں۔ مثلاً إِنْ (شرطیہ) مدغم یا مخفاۃ ہو تو علامتِ سکون سے (نٓ کو) خالی رکھا جاتا ہے۔ اِظہار کی صورت میں نون پر علامتِ سکون لکھی جاتی ہے۔ إِنْ (نافیہ) پر بہرصورت علامتِ سکون ڈالی جاتی ہے۔

(۶) ہمزۂ قطع کو رأس عین (ء) کی صورت میں لکھنے کا رواج عرب ممالک میں لازمی سمجھا جاتا ہے ۔ افریقی ممالک میں اسے بعض دفعہ معکوس شدّ (E) کی صورت میں اور بعض دفعہ گول نقطہ (•) کی شکل میں لکھتے ہیں۔ ہمزۃ الوصل پر علامتِ وصلہ کا لکھنا صرف عرب اور افریقی ممالک کے مصاحف کی خصوصیت ہے۔ عرب ممالک میں علامتِ وصلہ (صـ) اور افریقی ممالک میں صرف ایک نقطہ (ا) ہے۔ مشرقی ممالک ترکی، ایران، برِصغیر اور چین تک میں ہمزۃ الوصل کے لیے کسی علامت کا رواج نہیں ہے، اور نہ ہی غیر عربی دان کے لیے اس کا فہم آسان ہے۔ کیونکہ وقف ــــ اور خصوصاً وقفِ لازم کے بعد ہمزۃ الوصل سے ابتداء کی صورت میں عرب لوگ تو اپنی زباندانی کی بنا پر اسے درست پڑھ سکتے ہیں، مگر غیر عربی دان کے لیے جب تک اس ہمزۃ الوصل پر کوئی حرکت نہ ہو، اسے درست پڑھنا ان کے لیے مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

● الغرض علاماتِ ضبط کا تنوع صحتِ قراءت میں کسی طرح مانع نہیں ہے۔ کیونکہ ہر علاقے اور ملک کے مسلمان بچپن میں ہی اپنے اپنے طریقۂ ضبط سے آگاہ ہو جاتے

ہیں۔ قواعد تجوید کے مطابق قراءت کو زیادہ سے زیادہ صحیح بنانے اور غلطی اور خطا کے امکانات کو روکنے کے لیے علاماتِ ضبط میں ترمیم و اصلاح کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا ہے۔ اور اسے جاری رہنا چاہیئے — البتہ اصل رسمِ عثمانی کا برقرار رکھنا ضروری ہے۔ مشرقی ممالک کے مکتوبہ مصاحف میں رسمِ عثمانی کی خلاف ورزی عام پائی جاتی ہے۔ دراصل تحسینِ خطا اور خوشنویسی کے جوش میں بعض جاہل کاتبوں نے ماہرینِ فن کی نگرانی کے بغیر جب (صرف تاجرانِ مصاحف کی نفع اندوزی کی حرص کے باعث جلد از جلد) کتابتِ مصاحف کی توسعت کی خاطر کسی صحیح نسخے سے لفظ بہ لفظا ہو بہو نقل کرنے کے بنیادی اصول کو نظرانداز کیا۔ یوں رسمِ عثمانی کے علاوہ علاماتِ ضبط میں بھی اغلاط کا ارتکاب کچھ زیادہ ہی ہوگیا۔ اور صحتِ کتابت کا معیار زیادہ سے زیادہ حرکات یعنی زبر، زیر، پیش، تنوین، سکون اور مد وغیرہ یعنی صرف چند علاماتِ ضبط کی درستی یا موجودگی کو ہی بنا لیا گیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ دنیا میں بعض جگہ جو نہایت خوبصورت قلمی مصاحف موجود ہیں، ان کے جو نمونے دیکھنے کا موقع ملا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اکثر رسم الخط اور علاماتِ ضبط کی صحت کو نظرانداز کیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خطاط کے سامنے اصل چیز نسخہ کی خوبصورتی، خط کا کمال اور تذہیب و نقاشی تھی۔

طباعت کے دور میں — خصوصاً ۱۸ ویں اور ۱۹ ویں صدی میلادی میں (تیرہویں چودھویں صدی ہجری) میں ممالک شرقیہ بلکہ مصر اور شام تک سے ایسے مصاحف شائع ہوئے جن میں قواعد رسمِ عثمانی کو نظرانداز کر دیا گیا تھا یا کم از کم ان کی سختی سے پابندی نہیں کی گئی۔ یہ وبا برصغیر میں بھی عام ہوگئی اور یہاں سے ایسے مصاحف بھی شائع ہوئے، جن کے سرورق پر واضح طور پر "موافق رسمِ عثمانی" لکھا ہوتا تھا۔ مگر اندر متعدد الفاظ کی کتابت رسمِ عثمانی کی پابندی سے بے نیاز ہو کر کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ بعض اغلاط کو ہی درست طریقِ کتابت سمجھ لیا جاتا تھا۔

● غالباً سب سے پہلے سن ۱۳۰۸ھ سن ۱۸۹۰م میں مصر سے شیخ رضوان بن محمد المخللاتی کی کتابت کے ساتھ ایک ایسا مصحف (مصر یا شام) سے شائع ہوا تھا جس میں رسمِ عثمانی کو باہتمام ملحوظ رکھا گیا تھا[1] اس کے بعد ۱۳۴۲ھ سن ۱۹۲۳م میں فواد اول ملک مصر کے حکم سے مصر

---

[1] یوسف خلیفہ صہ۱۰

کا مشہور نسخۂ امیریہ شائع ہُوا، جس کی کتابت علماء اور ماہرین فن کے ایک بورڈ کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے عرب اور افریقی ممالک میں رسم الخط کی حد تک یہی نسخہ ماڈل اور معیار گنا گیا ہے۔ اس وقت رسمِ عثمانی کی اہمیت اور تفصیلات ہمارا موضوع نہیں ہے۔ البتہ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس نسخۂ امیریہ کے لیے اسی بورڈ نے اصلاحات و علاماتِ ضبط کا ایک معیاری مجموعہ قواعد مقرر کر دیا تھا۔ جو اس وقت سے عرب ممالک بالخصوص مصر و شام سے شائع ہونے والے ہر نسخۂ قرآن مجید کے آخر پر دیا ہُوا ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے بیشتر قواعد مشرقی ممالک کے لوگوں کے لیے ناقابلِ عمل اور ناقابلِ فہم ہیں۔ خصوصاً ہمزۃ الوصل پر علامتِ وصلہ کا استعمال ــــ تاہم نسخۂ امیریہ کے لیے تیار کردہ یہ مجموعۂ علاماتِ ضبط، اس فن کی قدیم ترین روایات اور عربی صرف و نحو کے قواعد اور اصولِ تجوید ــــ سب کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہے اور اہلِ علم کے لیے مفید اور مدلل ہے۔

تعلیم عام ہونے کے ساتھ عرب ممالک میں قرآن کریم کا (رسمِ عثمانی) عام رسم املائی سے مختلف ہونے کے باعث ــــ ایک اُلجھن کا باعث بن گیا ہے۔ غیر عرب ممالک میں رسمِ عثمانی کے اتباع سے کوئی ایسا مسئلہ پیدا نہ ہُوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔

● نسخۂ امیریہ کی اصلاحات اور علاماتِ ضبط کے قواعد سے متاثر ہو کر ہمارے ہاں ــــ پاکستان میں مولوی ظفر اقبال صاحب نے کچھ نئی علاماتِ ضبط کے ساتھ ایک نسخۂ قرآن کی کتابت بڑی محنت کے ساتھ اپنی نگرانی میں کئی برس میں مکمل کرائی۔ اس نسخۂ قرآن کو پیکجز لمیٹڈ لاہور نے تجویدی قرآن مجید کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس نسخۂ قرآن میں مستعمل بارہ (۱۲) علاماتِ ضبط میں سے بیشتر تو وہی ہیں جو عرب اور افریقی ممالک میں ہمیشہ سے رائج چلی آتی ہیں۔ مثلاً تنوین کے نون ملفوظی کے اخفاء، اظہار، ادغام یا اقلاب کی علامت وغیرہ ــــ اور بعض علامات ان سے بہتر بھی وضع کی گئی ہیں مثلاً اسم جلالت میں تفخیم لام کی علامت، حروفِ قلقلہ کے لیے خاص علامتِ سکون اور نون ساکن کے اخفاء و اظہار یا ادغام ناقص کے لیے الگ الگ علاماتِ سکون وغیرہ ــــ عرب ممالک کے مصاحف کی تقلید میں اور عربی املاء کے قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس نسخۂ قرآن میں کتابتِ ہمزہ کا بھی التزام کیا گیا۔ جو بالعموم مشرقی ممالک میں مدت سے متروک

ہو چکا ہے۔ تاہم اس التزام کی وجہ سے ایک دو جگہ ہمزۃ الوصل کو بھی ہمزۂ قطع کی طرح لکھ دیا گیا ہے جو درست نہیں ہے اور اس کی وجہ یہی ہوئی کہ غیر عرب ممالک میں ہمزۃ الوصل کی قرأت وقت کا باعث بنتی ہے اس لیے ہمزۃ الوصل کی علامت والا قاعدہ یوں عموم پر تو لیا نہ جا سکا اور ہمزہ بصورت خاص (ء) لکھنے کے التزام سے «الَّذِيْنَ اور ارْجِعُوْا جیسے الفاظ پر بھی ابتدائی ہمزہ لکھ دیا گیا۔ (أَلَّذِيْنَ اور إِرْجِعُوْا) جو تلفظ اور وقف و ابتدا کے اصولوں کے مطابق درست قرأت کا باعث تو بن سکتا ہے مگر قواعد زبان کے خلاف ہے لہٰذا غلط ہے۔ مجموعی طور پر یہ تجویدی قرآن مجید علاماتِ ضبط کے لحاظ سے ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ چھوٹے بچے اور بچیاں اس کے قواعد کو بآسانی سمجھ لینے اور تجویدی نقطۂ نظر سے نسبتاً بہتر قرأت کرتے ہیں۔ مثلاً یہ قاعدہ سمجھا دینے کی بجائے کہ جب نون ساکن یا تنوین کے بعد حرف حلقی ہو تو اس نون کا اظہار ہوگا اس کی بجائے جب حرف پر ایک مقرر علامتِ اظہار یا اخفا رڈال دی جائے [1] اور یہ علامت سمجھا دی جائے تو قاری علامت دیکھتے ہی خود اخفا یا اظہار کا خیال رکھ کر تلفظ کرتا ہے۔

حکومتِ پاکستان نے انجمن حمایتِ اسلام کے شائع کردہ نسخۂ قرآن کو معیاری (بلحاظِ صحت) قرار دے رکھا ہے۔ اس نسخہ کی کتابت کی نگرانی بھی مولوی ظفر اقبال صاحب نے ہی کی تھی مگر رسم الخط اور علاماتِ ضبط کے بارے میں اس وقت تک ان کی معلومات ناقص تھیں۔ بعد میں جب ان کو علم ہوا تو انہوں نے از خود ایک نیا نسخہ کتابت کرایا۔ انجمن والے نسخہ کا خط عمدہ ہے مگر صحت کا معیار صرف حرکات و سکون اور شد و مد کی درستی کو ہی قرار دے لیا گیا ہے۔ بعض علامات ضبط اس میں قواعد کے لحاظ سے غلط ہیں اور بعض ناقص ہیں — اور رسم الخط عثمانی کی حد تک تو خیر یہ نسخہ اور پاکستان سے شائع ہونے والے تمام نسخے نہ صرف یہ کہ معیاری نہیں بلکہ رسم کی شدید خلاف ورزیاں ان سب میں (بشمول نسخۂ انجمن و مصاحف تاج کمپنی وغیرہ) عام ہیں۔ اس لحاظ سے تجویدی قرآن مجید ایک قابلِ قدر اقدام ہے۔

---

[1] المقنع ص۱۳۱

تاہم میرے خیال میں اب بھی ایک ایسے مصحف یا نسخۂ قرآن کی تیاری کی ضرورت ہے جسے نہ صرف تحسین خط (اور افسوس ہے کہ ناشرین قرآن کی حرص نفع اندوزی کے باعث پاکستان میں کتابتِ مصاحف کا معیار بہت گر گیا ہے۔ کیونکہ اچھے کاتب سے قرآن لکھوانا مہنگا پڑتا ہے۔ اِنّا لِلّٰہ) اور خطّاطی کے لحاظ سے بلکہ رسم عثمانی کی پابندی اور علاماتِ ضبط کے قواعد کی جامعیت کی بنا پر بھی ایک معیاری نسخہ قرار دیا جا سکے۔

"مفتاح المراجع"

زیر نظر مقالہ میں پیش کردہ معلومات میں سے بعض کا ماخذ تو اس فن کی کتابیں ہیں اور کچھ معلومات قرآن کریم کے مختلف نسخوں کے مشاہدہ سے حاصل کردہ ہیں۔ مقالہ میں جن کتابوں کا حوالہ اختصار کے ساتھ دیا گیا ہے۔ اس کی "مفتاح" بترتیب ابجدی درج ذیل ہے۔ نسخہ ہائے قرآن کریم کی صورت میں صرف متعلقہ دور یا ملک اور علاقے کا ذکر مضمون کے اندر ہی کر دیا گیا ہے۔

۱ــــ الجبوری = سھیلہ یاسین الجبوری، اصل الخط العربی وتطورہ۔ بغداد ۱۹۷۷ء

۲ــــ صفدی = یٰسین حامد صفدی، اسلامک کیلی گرافی (انگریزی) لندن ۱۹۷۸ء

۳ــــ قصّۃ = ابراہیم جمعہ، قصّۃ الکتابۃ العربیہ قاہرہ ۱۹۴۷ء

۴ــــ لنگز = مارٹن لنگز، القرآن الکریم (فہرست نمائشِ لندن بزبان انگریزی) لندن ۱۹۷۶ء

۵ــــ المحکم = عثمان بن سعید الدانی، المحکم فی نقط المصاحف، دمشق ۱۳۷۹ھ

۶ــــ المقنع = عثمان بن سعید الدانی، المقنع فی مرسوم المصاحف، دمشق ۱۳۵۹ھ

۷ــــ المنجد = صلاح الدین المنجد، دراسات فی تاریخ الخط العربی، بیروت ۱۹۷۹ء

۸ــــ المصحف المیسر = عبد الجلیل عیسیٰ، المصحف المیسر (آخری ضمیمہ فی تعریف المصحف) دار القلم ۱۳۸۱ھ

۹ــــ یوسف الخلیفہ = دکتور یوسف الخلیفہ ابوبکر کا مقالہ بعنوان "الرسم القرآنی وصعوبات التعلیم الناتجۃ عنہ" جو سعودی عرب کے اخبار "المدینہ المنورہ" کی اشاعت ۱۲ شوال ۱۴۰۱ھ میں شائع ہوا۔